حضرت مولانا عیسیٰ منصوری

قرآن حکیم انسانیت کے لئے ایک مکمل عالمی منشور

لندن کے ادبی وعلمی حلقوں میں پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب کی ہستی پاکستان کی تاریخی تہذیب علم وآگہی، تصوف وکلام اور فلسفیانہ انداز لئے ہوئے ایک منفرد شخصیت وممتاز مقام کی حامل ہے۔ شاعر مشرق کی شخصیت وفکر اور کلام سے بقاء صاحب کی ارادت وعقیدت عشق کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہے آپ نے علامہ اقبال کے کلام اور فکر کو اپنی تحقیق اور غور وخوض کا مرکز ومحور بنایا ہے۔ یورپ، امریکہ کی حد تک یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں آپ کا فکر وفن علمی وادبی اور تحقیقی مقام مسلّم ہے۔ آپ کی ہستی ادب، شاعری، فکری وتحقیقی اور علمی ودینی تمام حلقوں میں معروف ومحترم مانی جاتی ہے۔ آپ اپنے جذب دروں کے ساتھ طویل عرصہ سے برطانیہ میں فکر وتحقیق اور علامہ اقبال کے کلام کی تفہیم وتشریح میں سنجیدگی ویکسوئی سے منہمک ہیں۔ مغرب خصوصاً برطانیہ میں نئی نسل کے لئے شاعر مشرق علامہ اقبال کے کلام اور فکر کی تفہیم وتشریح کا قابل قدر کام آپ کے قلم سے وجود میں آیا۔ آپ اپنے مرشد علامہ اقبال کی طرح فروعی نزاعات سے اجتناب برتتے ہوئے اسلام کی اساسی تعلیمات کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ کی دو درجن کے قریب تصانیف علم دوست حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ یہ ناچیز تین دہائیوں سے روز نامہ جنگ میں بقاؔ صاحب کے بصیرت افروز اور فکر انگیز حالات ومضامین کا قاری ہے اور تقریباً دو دہائیوں سے آپ سے تعارف وشناسائی حاصل ہے۔ آپ کی بیشتر تصانیف نظر سے گزریں آپ کی بے نظیر تصنیف اقبال اور تصوف پہ مجھے تبصرہ اور اظہار خیال کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جب بقا صاحب کے متعلق غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرات صوفیاء کرام کا خلوص وبے لوثی سادگی ووقار دردمندی وسنجیدگی بقاؔ صاحب کی شخصیت میں رچ بس گئے ہیں۔

اسلام کی ۱۴ سو سالہ تاریخ میں عربی کے بعد فارسی صدیوں تک اسلامی فکر وفلسفہ علوم وآگہی ادب وشاعری کے اظہار کا ذریعہ رہی ہے۔ اور برصغیر میں تقریباً گزشتہ ہزار سالہ علمی وفکری خزانوں کی امین ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کا بھی بڑا حصہ جو آپ کے فکر وفلسفہ کا نقطہ عروج ہے فارسی ہی میں ہے۔ پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب کا فارسی مطالعہ خصوصاً فارسی زبان کے مفکرین فلاسفہ ادباً اور شعراء کا مطالعہ نہایت عمیق ووسیع ہے۔ اب تو طبقہ علماً فارسی میں گہری بصیرت رکھنے والے نایاب ہو چکے ہیں۔ اس جہت سے برطانیہ ویورپ میں شاید ہی بقاء صاحب کی نظیر ملے۔ بقاء صاحب اردو، فارسی دونوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر ہیں حمد ونعت میں بھی ان کا جداگانہ رنگ ہے۔

---

* چیئر مین ورلڈ اسلامک فورم، یو۔کے

اقبالؒ کے متعلق مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ نے شہادت دی ہے کہ سو سال میں جدید طبقہ نے اقبالؒ سے بڑا دیدہ ور پیدا نہیں کیا وہ عصر حاضر کے مشرق کے سب سے بڑے مفکر و فلسفی ہیں۔ رشید احمد صدیقی مرحوم نے بالکل صحیح کہا ہے اقبال کا کلام اس صدی کا علم کلام ہے۔ اقبال کے فکر و کلام کی خصوصیات میں عشق رسول قرآن سے شغف اور حضرات صوفیاء کرام کا سوز ساز شامل ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بہت صحیح کہا ہے کہ اقبال پر دنیا کے بڑے مذہب کی گرفت اتنی نہیں جتنی ایک بڑی شخصیت کی ہے۔ وہ باخدا دیوانہ باشد و با محمد ہوشیار کا مصداق ہے۔ اور اس کی شاعری و کلام کا خلاصہ ہے۔ قرآن میں ہو غوطہ زن مرد مسلمان۔ اور صوفیاء کا جذب دروں سوز و مستی اس کے شعر شعر سے ٹپکتا ہے یہی خصوصیات برطانیہ مغرب میں اقبال کے سب سے بڑے شارح و ترجمان پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب کی ہیں آپ کی دو درجن کے قریب تصانیف میں سب سے نمایاں اور بمثال انہی تین موضوعات پر ہیں۔ سب سے طویل قرآنی موضوعات جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب رسول اکرمؐ مغربی اہل دانش کی نظر میں اور تیسری اقبال اور تصوف۔ ..... مولانا ندوی لکھتے ہیں کہ اقبال کی زندگی پر یہ عظیم کتاب قرآن مجید اس قدر اثر انداز ہوئی ہے اتنا وہ کسی شخصیت سے متاثر ہوئے نہ کسی کتاب سے۔ لیکن اقبال کا قرآن پڑھنا عام لوگوں کا قرآن پڑھنے سے بالکل مختلف رہا ہے۔ آپ کے والد گرامی جو ایک باصفا درویش تھے۔ اقبال کو بچپن میں نصیحت کی تھی جب وہ صبح روزانہ قرآن پڑھنے بیٹھتے کہ قرآن اس طرح پڑھا کرو جیسے قرآن اس وقت تم پر نازل ہو رہا ہے۔ اس کے بعد اقبال نے قرآن کو اس طرح پڑھنا شروع کیا گویا وہ واقعی اس وقت نازل ہو رہا ہے۔ ایک شعر میں وہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

تیرے ضمیر میں جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف

اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرنے میں گزاری۔ وہ ان کی محبوب کتاب تھی جس سے انہیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا۔ اس سے انہیں ایک نیا یقین، نئی قوت و توانائی حاصل ہوتی جوں جوں ان کا مطالعہ قرآن بڑھتا گیا۔ ان کی فکر میں بلندی پیدا ہوتی گئی۔ موجودہ دور کی ظلمتوں میں اس نے قرآن کے بعد مولانا روم کو اپنا رہنما و مرشد بنایا۔ جس طرح مولانا روم کے دور میں فلسفہ یونان عقلوں پر چھا گیا تھا۔ حتیٰ کہ علماً بھی اس سے ہٹ کر سوچ نہیں سکتے تھے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی کے ذریعے ایمان داستانِ عشق و سرور سوز و ساز کا پیغام دیا۔ اسی طرح اقبال کو بھی مغرب کے مادی و عقلی بے روح و بے خدا افکار و نظریات سے سابقہ پڑا۔ مادہ و روح کی کشمکش پورے عروج کے ساتھ سامنے آئی اس قلبی اضطراب و ذہنی انتشار کے موقع پر اقبال کو مولانا روم نے بہت کچھ سہارا دیا۔ اور انہوں نے مولانا روم کو اپنا کامل رہنما تسلیم کیا اور صاف اعلان کیا کہ عقل و خرد کی ساری گتھیاں جسے یورپ کی مادیت نے الجھا رکھا ہے اس کا حل صرف آتش رومی کے سوز و ساز میں پنہاں ہیں۔

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے تیرا تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسون
اسی کے فیض سے میری نگاہ روشن ہے اسی کے فیض سے مے سبو میں ہے

اقبال کو عصرِ حاضر کے علماً و دانشوروں، مفکرین و فلاسفہ سے بڑی شکایت یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کو چھوڑ کر فلسفہ یونان اور روح کو چھوڑ کر الفاظ کی پرستش شروع کر دی۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان براہ راست کتاب اللہ کا مطالعہ کریں اور اس کے علوم و حکمت سے مستفید ہوں۔

عصر حاضر کے ایک مفکر لکھتے ہیں: قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار۔ اخلاق تہذیب اور طرز زندگی پر اتنی وسعت اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے۔ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا۔ اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل کی اور مستقل تہذیب کی تعمیر کی چودہ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں یہ پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔

جس میں عقائد اخلاق، تزکیہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کرتی ہے۔ یہی نہیں قرآن جو تصور کائنات و انسان پیش کرتا ہے۔ وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے۔ وہ شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا۔ فلسفہ و سائنس اور علوم و عمران کا تمام آخری مسائل کے جوابات اس کلام میں موجود ہیں اور سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل مربوط اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے جو وسیع و جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اس زمانہ کے اہل عرب اہل روم و یونان و ایران تو درکنار اس بیسویں و اکیسویں صدی کے علم سائنس کے دعویداروں میں بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علم عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا رہنے کے بعد آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ اس شعبہ علم کے آخری مسائل کیا ہیں اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں ان تمام مسائل کا واضح جواب موجود ہے۔ یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام علوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں علاوہ ازیں چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی عربی زبان کا معیار فصاحت و بلاغت وہی ہے جو اس کتاب (قرآن) نے قائم کر دیا تھا حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو اتنی طویل مدت تک املاء انشاء محاورے قواعد زبان اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا۔ اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو چودہ سو سال پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی کیا دنیا کی کوئی زبان یا کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے۔ لیکن آج ہمارے زوال، نکبت تنزل و پستی کی سب سے بڑی وجہ اقبال کے الفاظ میں یہ ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

یہ قرآن کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔فقال الرسول یارب ان قومی اتحذوا وھذاالقرآن مھجورا جب رسول شکایت کریں گے کہ میرے رب میری قوم نے قرآن کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔دیکھا جائے تو قرآن پاک کی یہ آیت ایک معجزہ ہے اور ایک پیشن گوئی بھی اس میں ہمارے اس دور کی ہو بہو تصویر پیش کی گئی ہے۔دور نبوت میں قرآن ہر مسلمان کا حرزِ جان بنا ہوا تھا ہر کلمہ گو کا شغف وانہماک دنیا میں کسی کتاب سے تھا تو وہ صرف قرآن تھا۔

بدقسمتی سے جوں جوں دور نبوت سے دوری ہوتی گئی مسلمانوں کا انہماک ومشغولیت کتاب اللہ کے بجائے انسانی علوم وفنون اور کتابوں سے بڑھتا چلا گیا خاص طور پر برصغیر میں چونکہ اسلام براہ راست حجاز کے بجائے ایران و ترکستان کی راہ سے پہنچا۔ اس لئے وہاں شروع ہی سے قرآن وسنت کے بجائے عجمی وایرانی علوم وافکار فلسفوں اور نظریات کا غلبہ رہا اس کے بعد مغل دور میں ہمایوں کے شاہ ایران کے زیر بار احسان ہونے کے بعد تو فلسفہ ومنطق انسانی افکار ونظریات واسرائیلی داستانوں اور کہانیوں کا بند کھل گیا۔

برصغیر کے مسلمانوں کے نصاب تعلیم کا پچانوے فیصد حصہ اپنی انسانی علوم وفنون فلسفوں اور نظریات کا مرقع رہا ہے۔ قرآن کے حق میں سب سے موثر آواز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بلند کی مگر اس وقت سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد علمی مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو چکا تھا جہاں مکمل طور پر ایرانی فکر کی حامل شیعی حکمرانی قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی' بدقسمتی سے اب تک ہمارے دینی مدارس میں وہی نصاب تعلیم کسی نہ کسی شکل میں رائج رہا ہے جس کی اصل بنیاد مشہور ایرانی حکیم وفلسفی فتح اللہ شیرازی نے رکھی تھی جس کا بیشتر حصہ علوم قرآن کی بجائے عجمی فلسفوں منطق حکمت وعلم کلام پر قائم ہے۔جن کا تعلق انسان کا عمل وکردار کے بجائے ذہنی دماغی ورزش سے ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں صحابہ کرام کی تفسیروں کا تعلق زیادہ تر انہی آیات سے تھا جو امر ونہی پر مشتمل ہیں۔اور وہ آیات جن کا براہ راست تعلق انسانی عمل وکردار سے نہیں ان کی تعبیر وتفسیر کرنے میں وہ بہت احتیاط سے کام لیتے۔تفسیر ابن عباسؓ وتفسیر ابن کعبؓ کا بیشتر حصہ قرآن کے مفرد وغریب الفاظ کی تشریح سے تعلق رکھتا ہے۔یا آیات احکام سے تعلق رکھتا ہے۔کوئی حدیث انہیں معلوم ہوتی تو وہ ان آیات کی تشریح وتوضیح میں بیان کردی جاتی رہے۔اعتقادی مسائل یا اسرار کائنات تو اس باب میں صحابہ کرامؓ سے بہت کم چیزیں منقول ہیں دور تابعین میں پہلی بار ایرانیوں اور رومیوں کے اختلاط کے سبب عجمی افکار کی دخل اندازی سے باطل افکار ونظریات کے سبب انتشار ذہنی پیدا ہونا شروع ہوا دوسری طرف یونانی فلسفہ سے لوگ روشناس ہونے لگے۔تیسری طرف مختلف معاشی معاشرتی وسیاسی نوعیت کے پیچیدہ مسائل سامنے آئے۔اس وقت ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ لوگوں کو ذہنی کشمکش اور کج بحثی سے بچا کر براہ راست قرآن وسنت کی راہ پر ڈالا جائے۔جس کی بکثرت مثالیں۔قاضی شریح' ابراہیم نخعیؒ مجاہد عطاابن سیرین مکحول کے تفسیری نکات میں ملتی ہیں اس دور میں نئے مسائل میں اجتہاد کثرت سے ہوا مگر تضاد یا مناظرانہ رنگ پیدا نہیں ہوا اس کے بعد تبع تابعین کے دور میں سارے باطل افکار کھل کر سامنے آئے۔جو اس سے پہلے جھجکتے ہوئے سامنے آئے تھے۔ایک طرف سبائیت وخارجیت

اہل واعتزال اپنے اپنے مقاصد کے لئے قرآن کو استعمال کرنے میں تیز گام ہوئی دوسری طرف یونانی افکار ے متاثرہ لوگ عوام کے ذہنوں کو مسموم کررہے تھے۔ اور قرآن کی تفسیر یونانی فلسفہ کے ماتحت کررہے تھے۔ ان فکری ،نظری فلسفوں کے مقابلہ پر ابو عمر بن العلاء شعبہ بن حجاج سفیان ثوری۔ امام مالک یونس بن حبیب وکیع بن جراح وغیرہ وغیرہ نے تفسیر بالماثور یا تفسیر بحسب احادیث وآثار کر کے لوگوں کو راہ حق پ رقائم رکھنے کی کوشش کی لیکن جو لوگ عجمی ایرانی و یونانی افکار سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے عقلیت اعتزال اور یونانی فلسفہ واشراق کے رنگ میں تفسریں کیں۔ غرض تفسیر قرآن میں اصل خرابی اس وقت ہوئی جب اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیبوں اور افکار وفلسفوں سے دوچار ہوئی تو قرآن کی تفسیر مفسرین کے عقلی شعبدوں کی مینا کاری ہوگئی اس کا آغاز یونانی فلسفوں کی اساس پر ہوا۔ اموی وعباسی خلفاً کے دور میں درباروں میں یونان کے حکمأ سقراط وافلاطون اور ارسطو وغیرہ کی تعلیمات ترجمہ ہوکر پہنچنے لگیں ادھر مسلمان حکمأ وفلسفہ نے قرآن پاک کی تعلیمات کو ان یونانی فلاسفہ کے افکار سے مناسبتیں دینی شروع کیں۔ مزید برآں ایران کی زرتشتی تعلیمات اور ہندوستان سے ان شعروں کے تصورات بعض مسلمان حکمأ وفلاسفہ کے دماغوں میں جگہ پا گئے تفسیر قرآن میں ان کے تراجم عجمی علم وفن کا نقطہ آغاز تھے اس سے پہلے عرب صرف شاعری سے آشنا تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن پاک کی تفسیر میں یونانی وایرانی اور ہندوستانی الہیات کا تصور اور اس تصور کے تحت کائنات اور انسان کے متعلق عقلی استدلال راہ پا گیا اور وہ تمام بحثیں قرآن پاک کی تفسیر کا جز ہو گئیں جو قرآں کے مقصد اور دعوت سے خارج تھیں۔ امام رازی نے جو کچھ لکھا امام غزالی نے اس باب میں جن خیالات کا اظہار کیا اشعری (کلامی) الجصاص (فقھی) اور زمخشری (معتزلی) نے تفسیر بالرائی کی جو بنیاد قائم کی وہ قرآن پاک کی فطری وسادہ دعوت وتعلیمات کو اٹھا کر رقیق فلسفیانہ مباحث کے طلسم خانہ میں لے گئے جس سے ایک پیچیدہ علم کلام پیدا ہو گیا۔ امام رازی کی معرکۃ الاراء تفسیر کبیر کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: اس میں منطق وفلسفہ حکمت وعلم کلام وغیرہ سب کچھ ہے مگر قرآن نہیں ہے۔ امام رازی خود دنیا کے سارے علوم وفنون کی سیر کے بعد اپنی آخری تصنیف میں رقمطراز ہیں: میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا۔ لیکن بالاخر معلوم ہوا کہ نہ تو ان میں کسی بیمار کے لئے شفا ہے اور نہ کسی پیاسے کے لئے سیرابی۔ سب سے بہتر اور حقیقت کے نزدیک راہ وہی ہے جو قرآن کی اپنی راہ ہے۔‘‘ غرض فہم قرآن میں تمام تر الجھاؤ اسرائیلیات اور عقلیات کی بدولت پیدا ہوئے۔ جن کا تصنیفی شاہکار امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر ہے کہ اس کی بدولت قرآن مین شکوک وایرادات کے دروازے اس طرح کھلے کہ ان کا بند ہونا مشکل ہو گیا۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں واشگاف کیا ہے۔

چوں سرمۂ رازی از دیدہ خرد شستم   تقدیر امم دیدم پنہاں بہ کتاب ریزد
علاج ضعف یقیں اس سے ہو نہیں سکتا   غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہائے دقیق

غرض قرآن محض عقل نہیں کہ عقل سے اس کو حل کیا جائے۔ قرآن ایک عشق ہے جو اپنی جوت خود جگا لیتا ہے اور قاری وسامع کو مسحور کرتا ہے۔ عقل دلیل دیتی ہے اعتقاد نہیں دیتی۔ اعتقاد شخصیت سے پیدا ہوتا ہے جو سیرت

کو جلا دیتی ہے اور عشق کو طاقت بخشتی ہے اسی وجہ سے نبیؐ کی زندگی کو عملی قرآن کہا گیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قرآن کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لئے بیضاوی و بغوی کی ورق گردانی نہیں بلکہ دل دردمند کے الہام اور جبرائیل عشق کے فیضان کی ضرورت ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قرآن کو نظر و فکر کی اس زبان میں سمجھیں جو احادیث نبویؐ آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے سانچے میں ڈھلی ہے اور قرآن ہی کے الفاظ و مطالب کی زبان ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ایک جگہ رقمطراز ہیں۔ ''قرآن جب نازل ہوا تو اس کا مخاطبین کا پہلا گروہ ہی ایسا تھا کہ تمدن کے وضعی و صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا۔ فطرت کی سیدھی سادھی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کہ واقع میں تھا ٹھیک ٹھاک ہی ان کے دلوں میں اترتا گیا اور اسے قرآن کا فہم و معرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرامؓ جب پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے تو سنتے ہی اس کی حقیقت کو پالیتے تھے لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے انسانی علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا دور بڑھتا گیا قرآن کے فطری اسلوب سے طبعیتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آ گیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی و صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی اس لئے طرح طرح کا الجھاؤ پیدا ہونے لگے اور جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں الجھاؤ اور زیادہ بڑھنے لگے'' آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم دیکھتے ہیں اسلام کے ابتدائی دور سے قرون آخر تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے ان کا طریق تفسیر ایک روبہ تنزل معیار فکر کی مسلسل زنجیر ہے جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی کڑی سے پست تر ہے اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے اس سلسلہ میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں حقیقت زیادہ واضح زیادہ بلند اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور جس قدر نیچے اترتے ہیں حالت برعکس ہو جاتی ہے یہ صورت حال فی الحقیقت مسلمانوں کا عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآں کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے'' بقول اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس قدر فقیہان حرم بے توفیق

اس اعتبار سے قرآن دنیا کی مظلوم ترین کتاب ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں علماً روایت پسند ہوئے تو اسرائیلیات کا شکار ہوئے اور علماً عقلیت پسند ہوئے تو یونانیوں کے مزعومات کے اسیر و پابند۔

تمام علماً اسلام میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم ہی دو بزرگ ہیں جو ایک طرف روایات کے ناقد و مبصر ہیں تو دوسری طرف یونانی فلسفیات کے نقاد اور ان کے حق و باطل کے واقف کار اور ان کے دل ان سب سے ماورا

حکمت محمدی کے ذوق چشیدہ اور ان کے سینے معارف نبویؐ کے گنجینہ ہیں ان کی تفسیر تمام تر حکمت و مصلحت اور حقیقت و مغز پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ حکمت نہیں جو یونان صنم کدہ سے اچھی ہو بلکہ وہ جو حجاز کی ہر کوثر سے بہہ کر نکلی ہو یا جو فطرت انسانی کے ربانی چشموں سے ابلی ہو جس طرح گزشتہ دور میں مسلمانوں کی علمی تباہی کا راز قرآن کو چھوڑ کر فلسفہ یونان کی دماغی پیروی میں تھا اسی طرح آج مغربی فکر و تمدن کی اندھی تقلید میں ہے انسانی قرآن کی روح تک اس وقت پہنچ سکتا ہے جب اسرائیلیات و عقلیات اور موجودہ مغربی فکر و فلسفہ کی ذہنی آلودگیوں سے دور رہ کر قرآن کو اس کے اپنے ماحول زبان اور احادیث و آثار کی روشنی میں دیکھے۔ آج قرآن کا مقابلہ بائیبل یا تورات سے نہیں اور نہ ہی اس کی ٹکر ہندو مت یا بدھ مت و مجوسیت وغیرہ سے ہے بلکہ اسلام کا مقابلہ آج یورپ کے سائنسی و علمی نظریات و افکار سے ہے جن میں نئی نسل کے لئے ایسا سحر ہے جب تک ان کو مطمئن نہ کیا جائے ہم نئی نسل کو اس سحر سے نہیں نکال سکتے۔ آج یورپ کا ضمیر پھر اصل فطرت اور مذہب کی طرف لوٹنا چاہتا ہے مگر قرآن کو پیش کرنے والے صدیوں سے فلسفہ یونان کی بھول بھلیوں کے اسیر بن گئے ہیں۔

قرآن کے مخاطب صرف مسلمان نہیں بلکہ نوع انسانی ہے وہ خدا انسان اور کائنات کے باہمی رشتہ کی گرہ کشائی کرتا ہے انسان کو ایسے اصول اور دستوریات عطا کرتا ہے جس سے انسانی فکر و عمل میں کوئی کجی نہ رہے۔ قرآن انسانیت کے لئے فلاح و سعادت کی راہ کھولتا ہے۔ اور وہ اپنے خالق کے متعلق انسانی کی ابدی جستجو اور اس سارے سفر کی آخری منزل کا سنگ میل ہے انسان قرآن کی رہنمائی کے بغیر نہ تو اپنے خالق کا صحیح تصور کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذات کی معرفت۔ دنیا کے اکثر مذاہب اور قوموں نے اس کے تصور کو اپنے حصار میں بند کر لیا ہے اور خدا کو صرف اپنا ہی معبود گردانا ہے۔ لیکن قرآن نے خدا تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اعلان کیا ہے قرآن سے پہلے تک دنیا کی قوموں میں خدا کا تصور خوف و دہشت کا تصور تھا۔ قرآن نے رحمت و عدالت کا تصور پیش کیا ہے قرآن پوری انسانیت کے لئے ایک عالمی منشور ہے۔ یہ ان لوگوں کی جستجو اور اضطراب کا فطری جواب ہے جو اپنے خالق و رب کی تلاش میں عقل و فکر کے صحراؤں اور بیابانوں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآن سے پہلے جو آیت سماوی تھیں وہ انسانیت کے لئے بمنزلہ ابتدائی نصاب کے تھیں اور قرآن ایک بالغ باشعور اور ترقی یافتہ معاشرہ کے لئے مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ قرآن ایک بے مثل سچائی ہے جو کائنات انسان اور خدا کے باہمی رشتہ کو حرف آخر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ خدا اور اس کی صفات کیا ہیں اس کائنات کی تکوین کیونکر ہوئی۔ انسان ربوبیت کے حصہ کا مظہر ہے۔ قرآن تمام سچائیوں کی جامع آخری آسمانی دستاویز ہے وہ ایک ضابطہ ہے جس پر چل کر انسان رشد و ہدایت اور سعادت حاصل کرتا ہے۔ اس کا مطالعہ خالق کی حقیقت کائنات کی غایت انسان کی تخلیق کے مقصد نبوتوں کے مشن جزاء و سزا کے قانون اور حق و باطل کے امتیازات سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیم ٹھیک ٹھاک دلوں میں اتر جاتی ہے اور انسان یقین کی اس دولت کو پالیتا ہے جو فلسفہ کے سفر میں شک کے کانٹوں سے تلوؤں کو زخمی کرتی ہے اور اضطراب کے صحرا میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتی ہے سائنس کی خانہ ویرانی کا بھی یہی عالم ہے وہ ثبوت دیتی ہے مگر یقین نہیں دیتی انسانی روح کی منزل مقصود یقین

ہے جب تک اس کو یقین حاصل نہ ہو وہ کائنات کے توے پر اسپند کے دانے کے مانند تڑپتا رہتا ہے انسانی زندگی یقین کے بغیر جانکنی کی زندگی ہے اور یقین کی دولت صرف قرآن عطا کرتا ہے۔ قرآن سے لطف اندوز ہونے اور استفادہ کرنے اور فہم القرآن کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ طویل طویل تفاسیر کے بجائے محض ترجمہ سمجھنے پر اکتفا کیا جائے۔ اس لئے کہ ہر دور میں قرآن کی جو تفسیریں کی گئی ہیں ان میں مفسر کے ذہن وفکر پر جس پہلو کا غلبہ تھا اس کا عکس آ گیا یا دور کے رجحانات وتقاضوں کا۔ اس لئے قرآن کی زیادہ ضخیم وبسیط تفاسیر کے بجائے صرف قرآن کے ترجمہ یا مختصر ترین توضیح کو ترجیح دی جائے۔ جیسے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے حواشی ہیں کیونکہ طویل وعریض تفاسیر سے انسان خالق کی بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانی کلام میں مشغول ہو کر قرآن اور اللہ کے بجائے انسانی ذہن وفکر سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دینی نصاب کے متعلق اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھا کہ قرآن کا ترجمہ بغیر تفسیر کے ختم کرنا چاہیے پھر اس کے بعد تفسیر جلالین بقدر درس پڑھائی جائے۔ جلالین قرآن کی مختصر ترین تفسیر ہے جس کے الفاظ تقریباً قرآن کے الفاظ کے برابر ہیں۔ لمبی لمبی تفاسیر کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کو کسی مخصوص شخص کے فکر ونظر کی عینک سے دیکھنے لگتا ہے۔ گویا حکم اللہ کو سمجھنے کے لئے پہلے کسی انسان کے ذہن وفکر پر ایمان لایا جائے انسان قرآن کا صحیح لطف اس سے استفادہ اور برکات اسی وقت حاصل کرسکتا ہے جب وہ قرآن کے الفاظ یا زیادہ سے زیادہ اس کے ترجمہ تک محدود رہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ شجر کے ذریعے خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تھے انسان قرآن پڑھتے وقت اپنے کو شجر تصور کرلے پھر اپنے میں سے نکلے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھے کہ خدائے پاک ہمکلام ہیں اور میں براہ راست سن رہا ہوں۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء فرماتے ہیں میں نے ابتداء حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ سے عرض کیا۔ حضرت مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا۔ قرآن پاک میں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا ابھی بعد ہے۔ قرب میں جو مزہ قرآن کریم میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے۔ کثرت سے قرآن کریم پڑھا کرو اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں

قرآن کی تفہیم اور اسے بآسانی سمجھنے اور کسی موضوع پر حکم خداوندی معلوم کرنے کے لئے ہمارے مکرم پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب نے تقریباً ۱۶۵ عنوانات یا موضوعات مقرر کر کے ہر ہر موضوع پر آیات قرآنی مع ترجمہ کے درج کردی ہیں اب معمولی اردو پڑھا لکھا شخص بھی کسی موضوع پر بآسانی حکم خداوندی معلوم کرسکتا ہے۔ قرآنی موضوعات نہ صرف عام مسلمان کے لئے بلکہ اسکالرز علماء اور علمی کام کرنے والوں کیلئے بھی بیش قیمت تحفہ ہے۔ اب کسی درپیش موضوع پر قرآن پاک میں بکھری ہوئی آیات پر یکجا طور پر نظر ڈال کر قرآنی حکم اور منشاء خداوندی معلوم کرسکتا ہے۔ اگرچہ عربی میں اس موضوع پر متعدد حضرات نے کام کیا ہے مگر اردو میں یہ اپنے انداز کا منفرد اور قابل صد ستائش کام ہے۔ جس پر پروفیسر شریف بقاء صاحب بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔